محمد احمد حافظ

علم کی خوشبو بانٹنے والے

آج ظہر کے بعد جُھلستی دھوپ میں دفتر آنے کے لیے گھر سے نکلا تو اچانک ہی ذہن جست لگا کر رُبع صدی پہلے کے ملتان میں پہنچ گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہم نے ملک کی معروف دینی درس گاہ جامعہ خیر المدارس میں درجۂ ثالثہ میں داخلہ لیا تھا۔ ملتان کی گرمی تو مشہور ہے ہی..... ''وہ گرد، گدا، گرما و گورستان'' والی کہاوت کسے معلوم نہیں؟!

خیر المدارس میں تب جدت نہیں آئی تھی۔ عمارتیں پرانی طرز کی تھیں۔ مدرسہ کا دارالاقامہ اور کئی ایک کلاسیں ہندوؤں کے ایک متروکہ 'آشرم' میں واقع تھیں، چاروں جانب ایک ترتیب سے کمرے بنے ہوئے تھے جن کے آگے طویل برآمدہ تھا۔ مشرقی جانب ایک مندر تھا جو اپنی طرز میں ہندوانہ تعمیر کا شاہکار تھا۔ ایک مدت سے بند رہنے کی وجہ سے اندھیرے، مکڑی کے مہیب اور بدنما جالوں اور اپنے ساتھ منسوب بعض ڈراؤنے قصوں کی وجہ سے وحشت ناک منظر پیش کرتا تھا۔ دارالاقامہ کی عمارت بھٹے کی پکی اینٹوں سے بنی تھی جس پر سیمنٹ کی ٹیپ کردی گئی تھی۔ چھت لکڑی کے بالوں پر مشتمل تھی جس کے اوپر مٹی کی تہیں بچھی ہوئی تھیں۔ عمارت کے بیچوں بیچ چمن...... جہاں عصر کے بعد طلبہ کی ٹولیاں دن بھر کی دماغی تھکن اتارنے کے لیے خوش گپیوں میں مصروف ہوتیں۔ اس احاطے سے باہر اور خیر المدارس کی جامع مسجد کے درمیان ایک بہت بڑا گراؤنڈ تھا جہاں عصر کے بعد فٹ بال کھیلا جاتا، جبکہ اطراف میں چھوٹی کلاسوں کے طلبہ کرکٹ، گلی ڈنڈا، اور پٹھو گرم کھیلتے۔ شب جمعہ میں یار لوگ چاند کی روشنی میں 'واہنجو' کھیل کر اپنا رانجھا راضی کرتے۔ بتانے کی بات یہ ہے کہ پرانی عمارت کے کمروں میں گرمیوں کی دوپہریں بہت آسودہ گزرتی تھیں۔ طلبہ کرام دوپہر کا کھانا کھا کر قیلولے کے لیے لیٹتے تو ننگی اینٹوں کے فرش پر پانی کا چھڑکاؤ کرنا نہیں بھولتے تھے......اس چھڑکاؤ سے کمرہ میں ایسی بُرودت در آتی کہ اس کا مقابلہ ایئر کنڈیشنر بھی نہ کر پاتے۔ تب ایسی بھرپور نیند آتی کہ ظہر کی اذان کے بعد طلبہ کو جگانے کے لیے صورِ اسرافیل کی ضرورت محسوس ہوتی۔ جب تک استاذ محترم مولانا شیر محمد صاحب اور مولانا محمد یٰسین شاکر صاحب لکڑی کے دروازوں پر ڈنڈے برسا کر طلبہ کو نہ جگاتے، کوئی بھی خوابِ شیریں سے اٹھنا گوارا نہ کرتا۔ گرم دوپہر میں وہاں سے نکل کر مسجد تک کا ذرا سا فاصلہ طے کرنا قیامت معلوم ہوتا۔

ملتان کی گرمی معروف تو ہے ہی مگر ملتانیوں نے اس کے توڑ کے لیے اپنا انتظام کر رکھا ہے۔ چوک گھنٹہ گھر اور حسین آگاہی میں سوڈے والی اور گولی والی بوتلیں، اندرون شہر جابجا فالودے کے ٹھیّے اور پنسار کی دکانوں پہ ملنے والے الائچی، عناب، صندل، بزوری اور بادام کے شربت غضب کی گرمی میں جسم وروح کو تروتازہ رکھتے ہیں۔ خصوصاً فالودے کا تو جواب نہیں ہوتا، بشرطِ کہ بنانے والا خاندانی ہو۔ خوش قسمتی سے ہم نے فالودہ حضرت سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

کے ہاں بارہا کھایا ہے، یعنی کھلانے والے بھی خاندانی ہوں تو لطف مزید دوبالا ہوجاتا ہے۔ ملتان میں سرِ شام دہی بھلّے کے ٹھیلوں کی تو اپنی ہی بہار ہوتی ہے...... اور پھر قلعہ کے گول گپے کون بھول سکتا ہے؟ اگر آپ کینٹ چلے جائیں تو وہاں لذتِ کام ودہن کے لیے پھلوں کے تازہ جوس، ملک شیک اور فروٹ چاٹ کی دکانیں کھلی ملیں گی۔ یہیں کہیں 'چسکا ہاؤس ' کے نام سے بھی ایک دکان ہوتی تھی، معلوم نہیں کہ اب ہے یا نہیں؟

خیرالمدارس میں ہمارے رہتے رہتے ہی بہت تبدیلی آ گئی تھی۔ اب تو برسوں سے جانا نہیں ہوا، مگر معلوم ہوا ہے کہ اس کا نِک سُک ہی بدل گیا ہے۔ البتہ دارالحدیث اور اس سے ملحقہ عمارتیں ابھی باقی ہیں۔ 'دارالحدیث' ہمارے دورِ طالب علمی کا آخری پڑاؤ تھا۔ اس دارالحدیث کی چٹائیوں اور تپائیوں پر بیٹھنے والے اب جانے دنیا کے کس کس گوشے میں کس کس منصب پر فائز ہیں۔ جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت فیوضہم آج بھی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود اپنی مسند کو رونق بخشتے ہیں۔ آپ کے بلامبالغہ ہزاروں شاگرد ہیں۔ سفید بُراق لباس میں ملبوس اور سفید پگڑی باندھے، متبسم چہرے کے ساتھ جب دارالحدیث میں داخل ہوتے تو آپ کے وجود سے ہی دارالحدیث منور نظر آنے لگتا۔ بخاری شریف کے سبق کا آغاز فرماتے تو پتا ہی نہ چلتا کہ دو گھنٹے کیسے گزر گئے۔ آپ کے سبق میں خواہ مخواہ کی یبوست نہیں ہوتی تھی، نہ ہی آپ اپنے علم کے 'بحرِ ذخّار' سے طلبہ کو مرعوب فرماتے۔ دورانِ سبق بعض مشکل مقامات کو لطیفوں، خوشگوار چٹکلوں اور مضحک اَمثلہ سے حل فرماتے تو دماغی تکان یکسر کافور ہو جاتی۔ آپ ''علیٰ قدرِ عقولہم'' گفتگو فرماتے اور سبق کو نہایت آسان انداز میں بیان فرماتے۔

دورۂ حدیث کے سال مسلم شریف حضرت مولانا منظور احمد دام ظلہم کے پاس تھی۔ آپ جامعہ کے قدیم استاذ ہیں اور خیرالمدارس کی تاریخ نے شاید آپ ایسا طنطنے اور دَب دَبے والا استاذ نہ دیکھا ہوگا۔ پہلا گھنٹہ آپ ہی کا ہوتا، اس گھنٹے میں غیر حاضری کا تصور نہیں تھا۔ پوری کلاس پر آپ کی نگاہ ہوتی اور کوئی طالب علم ''ہیرا پھیری'' نہ کر سکتا تھا۔ بعض من چلے گھنٹے کے آغاز میں حاضری دے کر دارالحدیث کے پچھلے دروازوں سے نکلنے کی کوشش کرتے مگر ایک دو دفعہ کے بعد ہی پکڑے جاتے، البتہ یہ اور بات ہے کہ اس طرح نکل کر کینٹین پر جا کے ناشتہ کرنے کا بھی اپنا مزا تھا۔ استاذِ گرامی مولانا منظور احمد صاحب ماقلّ ودلّ گفتگو کے قائل ہیں۔ حدیث کی قرأت کے دوران ہی مختصر جملوں میں مشکل مقامات حل فرما دیتے۔ آپ کے سبق میں تقریر سے زیادہ طالب علم کے مطالعے پر انحصار ہوتا۔ یہ ایسا طریق ہے کہ طالب علم تھوڑی محنت سے بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے، مگر اس طریقے کو برتنے والے کم ہیں۔ ہم نے کئی بزرگ اساتذہ کو اسی پر عامل دیکھا۔ اب بات دوسری ہے۔ شروحِ حدیث کی کثرت نے مَبلغِ علم کو وسعت دے دی ہے۔ علم اپنا اظہار چاہتا ہے اور جب یہ اظہار ہوتا ہے تو بسا اوقات کتاب بروقت مکمل نہیں ہو پاتی اور سال کے آخر میں تلاوتِ حدیث کا ناقابلِ بیان منظر ہوتا ہے۔ ہمارے خیرالمدارس کے دیگر اساتذہ حضرت مولانا شیر محمد صاحب، حضرت مولانا شبیر الحق صاحب اور دیگر کئی اساتذہ

کرام تدریس کے میدان میں اسی ذوق کے آدمی تھے۔

مولانا محمد عابد صاحب کے پاس ہم نے تفسیر اور فقہ کے اسباق پڑھے ہیں، رفتار وگفتار میں عجیب دیوانگی لیے ہوئے، حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ کے فیض یافتہ، مدینہ یونیورسٹی کے فاضل، آپ کے سبق کی بھی نرالی شان ہوتی تھی۔ طلبہ کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے اوران کی تربیت کا کوئی لمحہ خالی نہ جانے دیتے۔ اکابر واسلاف کے تعارف، ان کے مزاج ومذاق کا بطورخاص اپنے اسباق میں تذکرہ فرماتے۔ ان کی نرم مزاجی سے طلبہ بسا اوقات فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے، انہیں 'سیدھا' کرنے کے لیے کبھی کبھی ''سوٹی'' سے خبر گیری فرماتے مگر اس خبر گیری کا انداز بھی ایسا مشفقانہ ہوتا کہ طلبہ......سوٹیاں کھا کے بھی بے مزہ نہ ہوتے۔

ہمارے استاذ مولانا خدا بخش صاحب بھی اپنی طرح کے آدمی ہیں، ہنس مکھ، سرخ وسفید چہرہ، سفید ڈاڑھی، سفید لباس اور سر پہ کپڑے کی سفید ٹوپی، گرمی کے دنوں میں اپنی موٹر سائیکل پر گھر سے جامعہ آتے تو آنکھوں پہ لگا کالا چشمہ دلوں میں اچھی خاصی ہلچل مچا دیتا، مطالعے کے رسیا، طالب علموں میں بھی مطالعے کا ذوق پیدا کرتے، آپ سینکڑوں کتابوں کے حامل ذاتی کتب خانے کے مالک ہیں، جب وہ سبق کے دوران اپنے کتب خانے کی چیدہ چیدہ نایاب کتابوں کے نام اور اوصاف گنواتے تو آدمی مبہوت ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، جنوبی پنجاب کی عظیم علمی شخصیت مولانا عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ کی کتابوں کی جتنی کلیکشن آپ کے پاس ہے شاید ہی کسی اور کے پاس ہو، ہم نے منطق کی کتاب 'قطبی' آپ کے پاس پڑھی، مگر 'کتب' کی محبت پائی، یوں وہ ہمارے لیے ''کتب مینار'' ثابت ہوئے۔ آپ شاعری بھی فرماتے ہیں اور غالباً ندیم تخلص ہے، عربی، فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد ہیں، جن کا تڑکا سبق کے دوران لگایا کرتے تھے۔ شعری انتخاب پر مشتمل آپ کی ایک کتاب بھی شائع ہوئی تھی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ذوقی چیزیں آپ نے حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ سے اکتساب کیں۔ حضرت مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ مدرسہ خیر المدارس جالندھر میں متعلم رہے۔ اور موجودہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق مدظلہٗ آپ کے ہم درس ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد جامعہ خیر المدارس ملتان منتقل ہوا تو دورۂ حدیث کی پہلی جماعت میں مذکورہ دونوں بزرگ ہستیاں شریک تھیں۔ استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ کے قابل فخر اور قابل اعتماد تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۱۹۵۰ء کے عشرے میں حضرت ابوذر بخاری جامعہ خیر المدارس میں مدرس تھے تب مولانا خدا بخش صاحب ان کے ہاں متعلم تھے۔

استاذِ محترم مولانا قاری محمد حنیف جالندھری زید مجدہم کے ذکرِ خیر کے بغیر ہماری یہ تحریر ادھوری ہی رہے گی، ہم نے ان کے پاس مشکوٰۃ شریف کا کچھ حصہ اور شمائل ترمذی پڑھی ہیں۔ ہمارے زمانے میں اپنی بے پناہ مصروفیات کی وجہ سے تدریس کو کم کم وقت دے پاتے تھے، مگر جب بھی وہ مسند درس پر بیٹھے سبق کا حق ادا کر دیا۔ صاف اور کھنکھناتی آواز سے پوری درس گاہ گونج رہی ہوتی، خوش آوازی اور خوش لباسی آپ پر ختم ہے۔ آج کل سر پہ پگڑی باندھتے ہیں مگر تب عربی انداز

کا سرخ رومال سر پہ رکھتے تھے۔اللہ نے آپ کو خوبصورت نین نقش سے نوازا ہے،آنکھوں پر براؤن چشمہ آپ کو غالب کی مُرصّع غزل بنا دیتا تھا۔طویل عرصے سے جامعہ خیر المدارس کے اہتمام اور وفاق المدارس العربیہ کی نظامت کی بھاری بھرکم ذمہ داریاں ایک ساتھ نبھا رہے ہیں، یہ ان پر اکابر مشائخ، اہلِ علم وتقویٰ اور کارپردازان مدارس کے بھرپور اعتماد کی علامت ہے۔پچھلے دوعشروں سے مدارس دینیہ کے خلاف جس قسم کی اندرونی اور بیرونی سازشیں برپا ہیں ان کا مسلسل کامیابی کے ساتھ مقابلہ کررہے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی پشت پر اکابر کی دعائیں اور مکمل سرپرستی بھی ہے مگر ایک لمحے کو قاری صاحب زید مجدہم کو اس سارے منظر نامے سے ہٹا کر دیکھیں تو کوئی ایک فرد بھی آپ کا ہم پلّہ نظر نہیں آتا۔آپ کو کم عمری میں ہی جامعہ خیر المدارس کی مسندِ اہتمام پر بیٹھنا پڑا،ہم نے کئی صاحب زادوں کو اہتمام کے نشے میں بھٹکتے دیکھا ہے،مگر آپ پر اللہ کا فضل شامل حال رہا۔آپ نے ہمیشہ اپنے اساتذہ کو ان کے مقام پر رکھا اور کبھی ان سے مستغنی نہیں ہوئے۔پچھلے دِنوں ہمارے مہربان دوست مولانا شفیع چترالی خیر المدارس گئے تو جامع مسجد میں قاری صاحب مولانا ازہر صاحب کو قرآن مجید کی منزل سناتے دیکھ کر حیران رہ گئے،بے پناہ مصروفیات کے ہوتے ہوئے قرآن مجید کے ساتھ یہ تعلق معمولی بات نہیں۔کیا کیا ذکر کیجیے،کئی اساتذہ کا ذکر رہا جاتا ہے۔یہ وہ لوگ تھے جنہیں دیکھ کر ہم نے اپنے اکابر واسلاف کے مذاق کو جانا،ان کی نگاہِ فیض گستر نے ذرّوں کو ماہتاب اور خاک کو کاخ بنایا ہے۔آپ دیکھیں گے کہ شہرت سے نفور اور جدیدیت کی آلائشوں سے دور مگر اپنی ذات میں پارس ہیں،جس کو چھولیں سونا بن جائے۔انہوں نے دنیا پر عقبیٰ کو ترجیح دی۔خود کو دین اور دینی علوم کے تحفظ اور اشاعت کے لیے وقف کر دیا۔آج جو اس خطے میں دین کے قلعے نظر آتے ہیں انہی کے دم سے آباد ہیں۔ملک بھر میں پھیلے مدارس دینیہ کے تمام اساتذہ کی کہانی ایک ہی جیسی ہے۔

گزشتہ دنوں ایک معروف اخبار کے کالم نگار نے مدارس کے اساتذہ کی معاشی صورت حال کو موضوع بنایا۔اچھا کیا یا برا،ہمیں اس سے بحث نہیں مگر مدرسے کا استاذ روکھی سوکھی کھا کر بھی علم کی خوشبو بانٹ رہا ہے۔عقل وفہم کی وادیوں میں کتنے ہی بھونچال آتے رہتے ہیں،مغرب سے آنے والی ہوائیں بھی اپنی دشمنی نبھاتی ہیں،نئے سے نئے سَراب دِکھتے ہیں مگر اس کی وابستگی ...... ''وفاداری بشرطِ اُستواری اصل ایماں ہے'' سے عبارت ہے۔وہ اپنے محاذ پر پوری استقامت کے ساتھ کھڑا ہے۔ہم جیسے نکمے شاگردان کے ایک لمحے کی بھی قیمت ادا نہیں کرسکتے،اللہ پاک ہی انہیں اپنی بارگاہ اقدس سے بہترین اجر عطا فرمائیں گے۔

آج ظہر کی نماز کے بعد جُھلستی دھوپ میں گھر سے دفتر آنے کے لیے نکلا تو اپنی مادرِ علمی ''جامعہ خیر المدارس'' بہت یاد آئی......اور بے طرح یاد آئی......اللہ تعالیٰ اس چمن کو ہمیشہ پھلتا پھولتا رکھے۔آمین

❁ ❁ ❁